Lesson 5: At-Tawbah (Ayaat 53- 63):Day 16

سُوۡرَةُ التَّوۡبَة کی تفسیر

سبق کا خلاصہ؛ کل کے سبق میں ہم نے غزوۂ تبوک کے بارے میں پڑھا تھا۔ آج مالی معاملات کے بارے میں پڑھیں گے۔ اللہ کے راستے میں جو کام بھی کیا جاتا ہے۔ وہاں مال آتا ہے اور لگتا بھی ہے۔

دنیا کے ہر کام پر پیسے لگتے بھی ہیں۔ خرچ بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح دین کے کاموں پر بھی اخراجات ہوتے ہیں۔

لیکن کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ ہم آئیں گے تو پیسے دیں گے نہیں آئیں گے تو پھر ہم کیوں خرچ کریں۔ اللہ کے گھر چلانے کے لئے پیسے کی ضرورت تو ہوتی ہے۔ لوگ سوچتے ہیں کہ دین کے لئے سب کچھ مفت مل جائے۔ لیکن جن کے دل اللہ سے جڑے ہیں وہ کتابوں پر بھی خرچ کرتے ہیں مسجدوں پر بھی اور دیگر دینی اداروں پر بھی۔

کچھ لوگوں کو اللہ کے نبیؐ کے مالی معاملات میں غلط فہمیاں ہوگئی تھیں، اگلی آیات میں انہی کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔

اگلے کچھ رکوع منافقین کی مختلف قسم کی حرکتوں پر ہیں۔ جب انسان دنیا کے ہی پیچھے پڑا رہے، جب انسان مال اور اولاد کو ہی اپنی ترجیح بنالے تو پھر وہ دین کے کاموں میں پیچھے رہ جاتا ہے۔

آج کے سبق میں صدقات کی تقسیم پر بھی بات ہوگی۔ صدقات کی بانٹ کی تفصیل تو احادیث سے ملتی ہے۔ (جو حدیثِ رسولؐ کی اہمیت کو نہیں سمجھتے وہ یہ تفصیل کہاں سے ڈھونڈیں گے؟)

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ‌ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿۵۳﴾

ان سے کہو "تم اپنے مال خواہ راضی خوشی خرچ کرو یا بکراہت، بہر حال وہ قبول نہ کیے جائیں گے کیونکہ تم فاسق لوگ ہو" ﴿۵۳﴾

قبول کیوں نہیں کئے جائینگے ؟

یہاں منافقین کے ایک دوسرے حربے کا ذِکر ہے۔ کچھ لوگ دین سے دُور ہونا چاہتے تھے۔ اپنے نہ جانے کا بہانہ بنا کر کچھ مال بطورِ چندہ لے کر آ گئے۔ یعنی اپنے کاروبار چھوڑ کر جہاد پر نہیں جانا چاہتے تھے۔ جہاد میں جان جانے کا ڈر تھا اس لئے بھی نہیں جانا چاہتے تھے لیکن اپنا نفاق بھی چھپانا چاہتے تھے۔ تو بظاہر مجبوری لیکن اندر سے جہاد سے جان چھڑوانے کے لئے کچھ مال لے کر آ گئے۔

کہنے لگے جہاد میں ہمارا حصّہ ڈال لیں۔ ہم جا نہیں سکتے لیکن اپنا حصّہ ڈال رہے ہیں۔

اللہ کے نبیؐ انسان تھے۔ وہ انسان کے ظاہر کو دیکھ کر اچھا گمان کرتے تھے۔ کہ شائد مخلص ہے کوئی مجبوری ہے جا نہیں سکتا تو چلو مال تو دے رہا ہے۔

لیکن اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ وہ منافقین کی چال کو سمجھتا ہے۔ اچھا اب تم اپنی جگہ اور ہم اپنی جگہ منتظر رہیں دیکھیں پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ اللہ نے ظاہر کر دیا کہ تمہارے خرچ کرنے کا اللہ بھوکا نہیں تم خوشی سے دو تو اور ناراضگی سے دو تو وہ تو قبول فرمانے کا نہیں اس لیے کہ تم فاسق لوگ ہو۔ تمہارے خرچ کی عدم قبولیت کا باعث کفر ہے اور اعمال کی قبولیت کی شرط کفر کا نہ ہونا بلکہ ایمان کا ہونا ہے۔

اُس وقت وحی نازل ہوتی تھی تو اللہ نے اُن کی منافقت ظاہر کر دی۔

یعنی کہ جو لوگ جو نماز نہ پڑھیں۔ مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہ ہوں لیکن چند روپے دے کر کہیں کہ ہم اسلام کے لئے بہت کچھ کرتے ہیں دراصل اللہ اور اسلام کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔

ہر جگہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ وہ نمود و نمائش کے لئے خرچ کر دیتے ہیں۔

اگر کسی کے پاس بہت مال ہے، اگر وہ اللہ کے نام پر خرچ کر دے تو کیا بڑی بات ہے۔ لیکن اصل اجر تو وہ پاجاتا ہے جو اپنی ضرورت کو روک کر اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ کسی نے بچے کی شادی کے لئے مال جمع کیا دین کو ضرورت پڑی تو خرچ کر دیا۔ کسی نے گھر میں کمرہ بنانے کے لئے مال جمع کیا، کسی ضرورت مند مسکین کی ضرورت پوری کر دی کمرہ نہ بنایا۔ تو بہترین اجر پائے گا۔

غزوۂ تبوک کے لئے مال اور اسباب کی ضرورت تھی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے اعلان کیا کون ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

اسی طرح مسلمانوں نے صدقہ و خیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا۔ جس میں پالان اور کجاوے سمیت دوسو اونٹ تھے اور دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی تھی۔ آپ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیا۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے آئے اور انہیں نبی ﷺ کی آغوش میں بکھیر دیا۔ رسول اللہ ﷺ انہیں الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔

عثمانؓ نے نو بار یہی کیا۔

ادھر حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ دوسو اوقیہ (تقریباً ساڑھے ۲۹ کلو) چاندی لے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنا سارا مال حاضرِ خدمت کر دیا۔ اور بال بچوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ ان کے صدقے کی مقدار چار ہزار درہم تھی اور سب سے پہلے یہی اپنا صدقہ لے کر تشریف لائے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا آدھا مال خیرات کیا۔ حضرت عباسؓ بہت سا مال لائے۔ حضرت طلحہ، سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ f بھی کافی مال لائے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ نوے وسق (یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کلو، ساڑھے ۱۳ ٹن) کھجور لے کر آئے۔ بقیہ صحابہ بھی پے در پے اپنے تھوڑے زیادہ صدقات لے آئے، یہاں تک کہ کسی کسی نے ایک مُد یا دو مد صدقہ کیا کہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ عورتوں نے بھی ہار، بازوبند، پازیب، بالی اور انگوٹھی وغیرہ جو کچھ ہو سکا آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ کسی نے بھی اپنا ہاتھ نہ روکا، اور بخل سے کام نہ لیا۔ صرف منافقین تھے جو صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں پر طعنہ زنی کرتے تھے، (کہ یہ ریاکار ہے) اور جن کے پاس اپنی مشقت کے سوا کچھ نہ تھا ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (کہ یہ ایک دو مد کھجور سے قیصر کی مملکت فتح کرنے اٹھے ہیں)

اُن کی نیکیاں اللہ کو راضی کرنے کے تھیں۔ یہ مخلصین لوگ تھے۔

فاسق کسی ڈر یا ضرورت پر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس انتظام کے بعد شمال کی جانب کوچ فرمایا (نسائی کی روایت کے مطابق یہ جمعرات کا دن تھا) منزل تبوک تھی لیکن لشکر بڑا تھا۔ تیس ہزار مرد تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں

کا اتنا بڑا لشکر کبھی فراہم نہ ہوا تھا۔ اس لیے مسلمان ہر چند مال خرچ کرنے کے باوجود لشکر کو پوری طرح تیار نہ کرسکے تھے بلکہ سواری اور توشے کی سخت کمی تھی۔ چنانچہ اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں پر ایک ایک اونٹ تھا جس پر یہ لوگ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کھانے کے لیے بسا اوقات درختوں کی پتیاں استعمال کرنی پڑتی تھیں جس سے ہونٹوں میں ورم آگیا تھا مجبوراً اونٹوں کو ۔ قلت کے باوجود ۔ ذبح کرنا پڑا، تاکہ اس کے معدے اور آنتوں کے اندر جمع شدہ پانی اور تری پی جاسکے۔ اسی لیے اس کا نام جیشِ عُسرت (تنگی کا لشکر) پڑ گیا۔

راستے میں لشکر کو پانی کی سخت ضرورت پڑی حتیٰ کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے بادل بھیج دیا، بارش ہوئی۔ لوگوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور ضرورت کا پانی لاد بھی لیا۔

مدینہ کے منافقین زیادہ تر کھاتے پیتے لوگ تھے۔ مال والے تھے۔ لیکن دلوں کے کنجوس تھے۔ ان کی پوری دوڑ دھوپ مال کمانے کے لئے تھی، دنیاداری میں مصروف تھے۔ زیادہ تر عمر رسیدہ تھے۔

امام ابن کثیر کی ایک کتاب ہے البدایة والنهایة ۔ اُس میں انہوں نے مدینہ کے منافقین کی نشانیاں بتائی ہیں۔ مدینہ کے منافقین زیادہ تر امیر، کنجوس اور عمر رسیدہ لوگ تھے، مال سے محبت کرتے تھے اور صرف ظاہری طور پر مسلمان ہوئے تھے۔

مومنین چاہے غریب یا امیر تھے۔ لیکن نوجوان اور حوصلے والے تھے۔ اللہ کے دین کے لئے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے تھے۔ منافقین کے بچے زیادہ تر مومنین میں شامل تھے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

ان کے دیے ہوئے مال قبول نہ ہونے کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے، نماز کے لیے آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں ﴿۵۴﴾

دوسری وجہ مال قبول نہ کرنے کی یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ کو مانتے تو مکہ کے مشرکین بھی تھے۔ اللہ کے گھر کے مجاور بن کر بیٹھے تھے۔ لیکن وہ شرک کرتے تھے اور اپنی مرضی کے دین پر عمل کرتے تھے۔ اللہ پر ایمان مکمل نہیں تھا۔ اللہ کے احکام اُن کو اچھے نہیں لگتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی مکمل اطاعت نہیں کرتے تھے۔

پھر تیسری وجہ: نماز بھی ظاہری طور پر ہی پڑھتے ہیں۔

نماز ایک کمیونٹی سیٹ اَپ تھا۔ کہ دن میں پانچ دفعہ ملتے ہیں۔ ایک دوسرے کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ انسان کی کسی مجبوری، غم اور خوشی کا پتا چلتا ہے۔ دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ اسلام ایسا نظام نہیں دیتا کہ کوئی گھر میں مرا پڑا رہے اور جب بدبو آئے تو گھر سے دو مہینے بعد لاش ملے۔

اگر کوئی مسجد نہ آسکے تو پھر باقی مسلمان پتا کرتے کہ فلاں مسجد کیوں نہیں آیا، بیمار تو نہیں؟ یا شہر سے باہر ہے۔

منافق کی نشانی کے مسجد خوشی سے نہیں آتے۔ سُستی سے آتے ہیں۔

آپ یہ دیکھیں کہ اُس دور کے منافق بھی پانچ وقت کی نماز پڑھنے مسجد جاتے تھے۔ آج کے مسلمان کیسے ہیں؟

خواتین کا بھی قرآن کلاس سے جُڑنا ضروری ہے۔

کچھ خواتین کہتی ہیں کہ ایک کلاس چھوٹ گئی تو پھر سوچا میں گھر پر ہی کر لوں گی۔ پھر شیطان دھوکہ دیتا ہے کہ تم خود گھر بیٹھ کر پڑھ سکتی ہو۔ دوسرا یہ ہوتا کہ باقی بہنیں پوچھنے لگ جاتی ہیں کہ آپ تو اب نظر نہیں آتی۔ تو سوال جواب سے بچنے کے لئے نہیں آتی۔ تیسرا یوں لگتا ہے کہ ایک کے بعد ایک کام نظر آنے لگتا ہے۔ کہ فلاں کام کر لوں پھر کلاس میں جاؤں گی۔ فلاں بچے کی شادی ہو جائے پھر قرآن کلاس جوائن کر لوں گی۔

باقی دنیا کے سب کام کرتے ہیں لیکن قرآن کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

عمل کا نقطہ؛ اگر کبھی قران سے تعلق ٹوٹ جائے تو جلد از جلد قرآن کلاس سے تعلق اور رشتہ جوڑ لیں ۔ یہ نہ سوچیں فلاں سپارے چھوٹ گئے۔ جتنا ملتا ہے وہاں سے ہی پڑھنا شروع کر دیں۔ جو چھوٹ گیا انشاءاللہ وہ بھی مل جائے گا۔

مثال۔ جب کبھی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے تو جوڑ پر جوڑ رکھ کر پلستر کر دیتے ہیں۔ ہڈی قدرتی طور پر جڑنا شروع ہو جاتی ہے۔ آپ قرآن پڑھنا اور سیکھنا شروع کر دیں۔ دل قرآن کے ساتھ جڑ جائے گا۔

ہمیشہ انتہائی مجبوری میں ہی قرآن کلاس سے چھٹی کریں۔

جتنا بھی پڑھ سکتے ہیں اتنا ہی پڑھیں۔ ٹیسٹ سے نہ ڈریں۔ لوگوں کو دین سے محبت دلائیں۔ دین اور قرآن کے سبق سے نہ ڈرائیں۔

ساتھ ہی کسی عمل میں تمہارا نیک قصد اور سچی ہمت نہیں نماز کو آتے ہو تو بھی ہارے دل سے گرتے پڑتے، مرتے بچھڑتے، سست اور کاہل ہو کر۔ دیکھا دیکھی مجمع میں دو چار دے بھی دیتے ہو تو مرے جی سے، دل کی تنگی سے۔ متقیوں کے اعمال قبول ہوتے ہیں تم فاسق ہو تمہارے اعمال قبولیت سے گرے ہوئے ہیں۔

پانچویں وجہ۔ بادل نخواستہ خرچ کرتے ہیں۔

اب ہم اپنا محاسبہ کریں۔

میری دین سے محبت کیسی ہے؟ کیا قرآن کلاس میں دل لگتا ہے۔ نمازیں کیسی ہیں۔ کیا دین کا کام شوق سے کرتی ہوں؟ اللہ کی راہ میں کیسے خرچ کرتی ہوں؟

دین سے اپنے بچے جیسی محبت کریں۔ بچے کو جب ہماری ضرورت ہوتی ہے تو کیا اپنے بچے کو کسی دوسرے کے حوالے کر دیں گی؟

دین کو گلے سے لگا لیں۔ آپ کی دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔